سیّد واجد علی شاہؒ کا سفرِ آخرت

یہ خبر پاکستان کے ثقافتی، سماجی اور سیاسی حلقوں میں انتہائی افسوس کے ساتھ سنی جائے گی کہ ۱۴ر جون بروز ہفتہ ملک کی معروف شخصیت جناب سیّد واجد علی شاہ وفات پا گئی اور اپنے پیچھے زندگی کی بلند قدروں سے 'مضبوط پیمانِ وفا' کی یادیں چھوڑ گئی۔

مرحوم حضرت شاہ صاحب ۲۰ر دسمبر ۱۹۱۱ء کو لاہور کے ایک معروف سیّد خاندان میں پیدا ہوئے۔ آپ سیّد مراتب علی مرحوم کے تیسرے بیٹے تھے۔ گورنمنٹ کالج لاہور میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد آپ ہندوستانی آرمی میں چلے گئے۔ اور ۱۹۴۰ء میں ملازمت چھوڑ کر اپنے مرحوم والد کے ساتھ تجارتی کاروبار میں شریک ہو گئے۔ بانیٔ پاکستان سے بھی آپ کے تعلقات تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب ۱۹۴۷ء میں قیامِ پاکستان کے وقت صوبہ سرحد میں پاکستان یا بھارت سے الحاق کے بارے میں انتخابات ہوئے، تو بانیٔ پاکستان نے مسلم لیگ کی سہ رُکنی کمیٹی میں شاہ صاحب (مرحوم) کا نام اپنے قلم سے لکھا۔

یہاں اس بات کا ذکر شاید بے جا نہ ہوگا کہ جب قیامِ پاکستان کے بعد مشرقی پنجاب سے لاکھوں مہاجرین بے بسی کے عالم میں پاکستان میں داخل ہوئے تو اُن کے ٹھہرنے کا انتظام والٹن میں کیا گیا تھا۔ انہی دنوں میں بانیٔ پاکستان نے والٹن کا معائینہ کیا۔ شاہ صاحب مرحوم قائد کے ساتھ تھے۔

قائد نے مہاجرین کی بے بسی کا منظر دیکھا تو انتہائی دُکھ ہوا۔ شاہ صاحب نے مزید

کہا: 'قائد ساری رات بخار میں رہے، بلکہ He was dead that night'۔ شاہ صاحب مرحوم نے ہمیں یہ بھی بتایا کہ اُن کا کھانا میری والدہ تیار کر کے گورنر ہاؤس بھجواتی تھیں۔ یہاں اس بات کا تذکرہ شاید بے جا نہ ہوگا کہ تقسیمِ پنجاب سے متعلق جو سرکاری ریکارڈ چھپا ہے اسے پڑھ کر آدمی حیران رہ جاتا ہے کہ تقسیمِ پنجاب سے متعلق بورڈ میں بھارتی ممبر نے لائل پور، منٹگمری اور شیخوپورہ کو مشرقی پنجاب میں شامل کرنے کا مطالبہ کیا۔ کیوں کہ بہ قول اُن کے یہ سارے علاقے سکھوں نے آباد کیے ہیں۔ ایسے ہی یہ دعویٰ بھی کیا گیا کہ لاہور میں سکھوں کی جائیداد سب سے زیادہ ہے۔

اس مطالبے کے جواب میں بورڈ کے ممبر جسٹس منیر نے کہا کہ یہ ٹھیک ہے کہ مغربی پنجاب کے ان علاقوں کو سکھ کاشت کاروں نے آباد کیا ہے۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے، جالندھر اور ہوشیار پور کے مسلم کاشت کاروں نے بھی اسے آباد کرنے میں بڑا کام کیا ہے۔ اس نازک وقت میں مرحوم سیّد مراتب علی نے بہ قول سیّد ڈاکٹر افضل حیدر (جج، وفاقی شرعی عدالت) پنجاب کے پٹواری حضرات کو لاہور بلایا اور اُن کے قیام و طعام کا انتظام کیا تاکہ وہ دل جمعی سے پنجاب میں مسلم کاشت کاروں کی زمینوں کا پورا ریکارڈ مرتب کریں۔ حتیٰ کہ لاہور شہر پر بھی بحث رہی کہ وہ مشرقی پنجاب میں جائے۔ لیکن مرحوم جسٹس منیر کی قانونی جدوجہد سے لاہور مسلم پنجاب کا صدر مقام رہا۔

ڈاکٹر محمد افضل، سابق وفاقی وزیرِ تعلیم، بڑے متحرک، فاضل اور زیرک انسان تھے۔ وہ UGC کے چیئرمین بھی رہ چکے تھے۔ اس لیے ہمارے تعلیمی مسائل کے نشیب و فراز سے آگاہ تھے۔ وہ ادارہ ثقافتِ اسلامیہ کے بورڈ آف ڈائریکٹرز کے متحرک ممبر بھی تھے۔ مرحوم حضرت شاہ صاحب، ڈاکٹر موصوف کی بڑی عزت کرتے تھے۔ چند سال قبل وہ بورڈ کے اجلاس میں لاہور آئے ہوئے تھے تو ہم دونوں شاہ صاحب مرحوم سے ان کے دفتر میں ملے۔ شاہ صاحب نے اپنی پرانی یادوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ ۱۹۵۴ء میں پاکستان کے گورنر جنرل ملک غلام محمد نے شاہ صاحب سے کہا کہ وہ دہلی جائیں اور جواہر لال نہرو سے مل کر مسئلہ کشمیر

کے حل کے لیے ان سے بات چیت کریں۔ کیوں کہ بہ قول غلام محمد، نہرو ہی اس مسئلہ کو حل کر سکتے ہیں اور اس طریق سے پاک و ہند میں ایک نئے دوستانہ دور کا آغاز ہو سکتا ہے۔ چنانچہ شاہ صاحب نہرو جی سے ملے۔ اور اس مسئلہ پر کھل کر بات چیت ہوئی۔ شاہ صاحب مرحوم نے فون پر گورنر جنرل (غلام محمد مرحوم) کو پنڈت نہرو سے اپنی ملاقات کے بارے میں بتایا، تو گورنر جنرل نے شاہ صاحب سے کہا کہ وہ ابوالکلام آزاد سے ملاقات کریں۔ انہیں نہرو سے اپنی بات چیت کے بارے میں بتائیں۔ وہ (ابوالکلام) نہرو کے قریبی دوست ہیں۔ ان سے نہرو نے اس ملاقات کے بارے میں ضرور بات کی ہوگی۔ چنانچہ شاہ صاحب ابوالکلام سے ملے۔ شاہ صاحب نے اس ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے کہا:

''یہ پہلا موقع تھا کہ مَیں مولانا ابوالکلام سے ان کے دفتر میں ملا۔ مولانا کی شخصیت اور گفتگو بڑی خوب صورت تھی۔ مَیں نے اُن سے مسئلہ کشمیر سے متعلق نہرو سے اپنی بات چیت کا ذکر کیا تو مولانا نے مجھ سے کہا: ابھی تک جواہر لال نے اس ملاقات کے بارے میں مجھ سے کوئی بات نہیں کی۔''

شاہ صاحب نے ادارہ ثقافتِ اسلامیہ کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے کہا: ''خلیفہ عبدالحکیم مرحوم اور مَیں غلام محمد (گورنر جنرل) کے کہنے پر سردار عبدالرب نشتر مرحوم سے ملے، جو اس وقت پنجاب کے گورنر تھے۔ نشتر صاحب نے خلیفہ صاحب سے کہا کہ وہ پنجاب یونیورسٹی کے وائس چانسلر بن جائیں۔ مَیں کلرک بننا نہیں چاہتا، کوئی علمی کام کرنا چاہتا ہوں، تا کہ ہماری نئی نسل اسلام کی تعلیمات سے آگاہ ہو کر معاشرے میں کام کرے، خلیفہ صاحب نے جواب دیا۔ بعد میں ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ کے قیام کی تجویز آئی تو ادارے کی موجودہ عمارت 'نرسنگداس گارڈن' ۲۔ کلب روڈ جو متروکہ جائیداد تھی، ثقافتی اداروں: ادارہ ثقافت اسلامیہ، بزمِ اقبال اور مجلس ترقیٔ ادب کے لیے خریدی گئی۔ ادارہ ثقافتِ اسلامیہ نے مقدور بھر کوشش کی کہ اہلِ پاکستان کو اسلام کے فکری، ثقافتی اور اجتماعی ورثے سے باخبر رکھنے کے لیے اسلام کے تاریخی ورثے کو قرینے سلیقے سے شائع کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ ادارہ ثقافتِ اسلامیہ نے ہر ممکن

کوشش کی ہے کہ اس کی تالیفات مذہبی فرقہ واریت سے پاک صاف رہیں۔

ایک دفعہ بورڈ آف ڈائریکٹرز کی میٹنگ میں مغرب میں اسلام کی پُرامن دعوت کی کامیابی کا ذکر آیا تو کہا گیا کہ اس راہ میں تیمور و بابر کی تلواریں کند ہو چکی ہیں اور اسلام کی نشر و اشاعت میں رازی نہیں رومی نے میدان جیت لیا ہے۔ حضرت شاہ صاحب نے ممبروں کی گفتگو سن کر کہا کہ اگر مغرب فہم اسلام کے لیے رومی کی زبان سمجھتا ہے تو ادارے کی طرف سے ایک مستند اور عمدہ کتاب جلال الدین رومی پر آنی چاہیے۔ اس مجوزہ کتاب کی اشاعت کے لیے اُنہوں نے پیشگی ایک لاکھ روپیہ ادارہ ثقافتِ اسلامیہ کے حساب میں بھجوا دیا۔

اس ادارہ کے علاوہ اُنہوں نے لاہور میں گلاب دیوی ہسپتال کی سرپرستی کے ساتھ ساتھ کراچی میں 'لیاقت علی' کے نام سے غریب لوگوں کے لیے ایک ہسپتال بنوایا جس کی تفصیل مجھ سے ہمارے فاضل دوست غلام نبی آگرو نے بیان کی۔ ان رفاہی اداروں کے قیام سے پتہ نہیں کہ ملک کے کتنے غریب اور نادار لوگوں نے فائدہ اُٹھایا ہے۔ اور شاہ صاحب مرحوم کو دُعائیں دی ہیں۔ یہاں اس واقعہ کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا، جب جنرل محمد ضیاء الحق نے ملک کے ممتاز ماہرِ تعلیم ڈاکٹر محمد اجمل مرحوم کو جو مرکزی وزارتِ تعلیم میں سیکرٹری تھے، الگ کیا۔ کیوں کہ ان کے بارے میں لاہور کے ایک ہفت روزہ رسالہ نے یہ لکھا تھا: ''ڈاکٹر محمد اجمل شراب... کے رسیا ہیں، تعلیم اُن پر تہمت ہے۔'' اس سلسلہ میں ڈاکٹر محمد اجمل کے کہنے پر خاکسار اور ڈاکٹر اجمل اے کے بروہی مرحوم سے ملے۔ بروہی صاحب نے حسبِ عادت کہا کہ ''اس مسئلے کو مجھ پر چھوڑ دیجیے۔ مَیں خود بھائی جنرل ضیاء الحق سے اس موضوع پر بات کروں گا۔'' انہی دنوں میں یہ بات شاہ صاحب مرحوم کے علم میں بھی آئی تو اُنہوں نے ڈاکٹر محمد افضل سے بات چیت کی تو ڈاکٹر افضل نے کہا کہ رشید احمد بھی ڈاکٹر اجمل کا دوست ہے۔ اس سے کہیں کہ اگر وہ (ڈاکٹر اجمل) ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ میں آنا پسند کریں۔ تو یہ ادارہ کے لیے ایک اعزاز ہوگا۔ حضرت شاہ صاحب نے مجھ سے کہا کہ اگر ڈاکٹر صاحب ادارے میں آنا پسند کریں تو ان کی تنخواہ میں خود اپنی جیب سے دوں گا، تم ان سے بات کرو۔ اتفاق سے انہی دنوں میں

ڈاکٹر اجمل ملتان جاتے ہوئے لاہور میں UGC کے ہوسٹل میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ خاکسار نے ان سے حضرت شاہ صاحب کی پیشکش کا ذکر کیا تو وہ سن کر بہت خوش ہوئے۔ دوسرے دن ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ کے دفتر میں آئے اور کہا کہ وہ ملتان سے لاہور واپسی پر ادارہ میں جلال الدین رومی یا کسی دوسرے موضوع پر اپنا کام شروع کر دیں گے۔ تیسرے دن مجھے پتہ چلا کہ وہ ملتان سے سیدھے اسلام آباد چلے گئے ہیں تو افسوس ہوا۔ لیکن اسی وقت ڈاکٹر رفیعہ حسن کا فون آیا کہ ڈاکٹر اجمل آج صبح وفات پا گئے ہیں ابھی ابھی TV نے خبر دی ہے۔ ان چند واقعات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب نے اپنے آپ کو انسانیت کی خدمت کے لیے وقف کر دیا تھا، اسی 'وقف' میں شاہ جی کی کامیاب زندگی کا راز پنہاں ہے۔

ع 'ہرگز نہ میرد آنکہ دلش زندہ شد بہ عشق'

رشید احمد